علامہ سمعانی سے ایک ملاقات

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے آسمان پر ستاروں کی مجلسِ شبینہ آراستہ ہے، صبح صادق کے طلوع ہونے میں ابھی کافی دیر ہے۔ کائنات پر سکوت اور تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ علامہ جامیؒ کی مجلس پر سعادت ''نفحات الانس'' سے جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک تخیل کے وسیع گوشوں، اطمینان کی خاطر طلب گاریوں، تصورات کے انتشار، کچھ بے چینی اور اضطراب کی تاریکیوں میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی اور شیریں تبسم اور ایک نگاہِ دلآویز نے تاریکیاں دور اور..... اِضطرابات کافور کر دیے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ خلوت وتنہائی، دل کے اضطراب اور رات کی وحشت وتاریکی میں یہ دِل نواز اور شیریں آواز ..... جو سراسر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز تھی، ایسی آواز جس سے ہمت افزائیاں اور سرفرازیاں حاصل ہوئیں، جس نے مایوسیوں میں ڈھارس بندھوائی یہ آواز مایہ ناز کتاب ''الانساب'' کے مصنف علامہ ابوسعید عبدالکریم بن محمد السمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) کی تھی جو قصر معرفت کے روزن اور گلشنِ علم کے دریچے ''الانساب'' سے کھول رہے تھے۔ ان کا اندازِ تخاطب ایسا مشفقانہ تھا کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا ان ہی کی نظرِ عنایت میں سما کر رہ گیا تھا، حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے کہ جب علم وقلم اور نگاہِ دلنواز کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

آج ان کی محفل اور مجلسِ علم وفضل میں حقیقت اپنی پوری شانِ تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آگئی تھی۔ اس سے قبل بھی علامہ عبدالکریم سمعانیؒ سے تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں اور ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی عار نہیں کہ بغیر کسی غرض اور انتفاع کے علامہ سمعانی کا ہم طلبہ کے ساتھ شفقت، عنایت اور حسنِ سلوک، دل پر تیر محبت

کا زخم بن کر رہ گیا ہے، جو روح و دل کے لیے ایک دہکتا ہوا انگارہ ثابت ہو رہا ہے جس قدر بھی ان کی مجلسِ فیض وافادہ میں حاضری ہوتی رہی ہے، روح کا زخم گہرا ہوتا رہا اور دل کی تپش بڑھتی رہی۔

احقر اس سے قبل بھی علامہ سمعانیؒ کی نیک شہرت، علم پروری، عظیم علمی و تصنیفی کارناموں اور کسی حد تک مجلسی افادات سے بے خبر نہ تھا۔ لیکن صورت آشنا نہ تھا کہ مجلس میں حاضری کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اب کی بار جب ان کی مجلسِ رُشد وہدایت (الانساب) میں حاضری کا موع مل رہا ہے..... تو اگر چہ دل جو معاشرے کی بے مہری، اپنوں کی سنگ دلی، زندگی کے تلخ تجربوں اور درماندگیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا مگر ''الانساب'' کے مصنف ومیر مجلس علامہ سمعانیؒ کی محبت کی دل نوازیوں سے پگھلنے لگا ہے۔ گویا روح کو ان کی نگاہِ محبت نے خرید لیا۔

صد ملکِ دل، بہ نیم نگاہِ مے تواں خرید
خوباں دریں معاملہ، تقصیر می کنند!

اب کی بار جب ان کی مجلس میں حاضری ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موصوف نے اپنی محفل کو ایسے لوگوں سے سجا رکھا تھا جو کاروبار اور پیشہ کے لحاظ سے نسلاً بعد نسلٍ دست کار، صنعت کار، ریشم ساز اور ریشم فروش چلے آرہے تھے، مگر دنیا ان کے جذبہ اشاعتِ علم وخدمتِ دین، زہد وتقویٰ اور علم وفضل کا لوہا مانتی چلی آرہی تھی۔ دست کاری، صنعت گری، ریشم سازی، اور ریشم فروشی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ سینکڑوں افراد اس کاروبار میں مشغول رہتے تھے، مگر ان کے خاندان میں پیشہ اور کاروبار کی طرح تحصیل واشاعتِ علم کا مشغلہ بھی نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا تھا۔ صنعت وحرفت کی وراثت کی طرح علم وفضل کی وراثت پر بھی انہیں فخر وناز ہوا کرتا تھا۔

تمام عمر تیرے دردِ محبت نے مجھے!
کسی سے دل نہ لگانے دیا گلستاں میں

ان کے علوم ومعارف اور دینی وعلمی کمالات کا آئینہ ان کے سیرت وکردار کے نادر نمونے ہیں جو معاشرے میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، جن کی ایک جھلک علامہ سمعانیؒ سے ''الانساب'' کے صفحہ ۲۳۸ پر ثبت فرمائی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ مرو شہر میں ایک علمی خاندان ''دیوکش'' کے لقب سے معروف اور مشہور تھا، وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں ریشم سازی اور ریشم فروشی کا کاروبار ہوتا تھا، بلکہ ان کا خاندان پورے علاقے میں اس کاروبار کا مرکز تھا۔ خاندان کے افراد ریشم کے کیڑے ایک خاص ترکیب کے ساتھ پالتے اور پھر ان کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالا کرتے تھے، چوں کہ فارسی میں ان کیڑوں کو 'دیو' کہتے ہیں اس لیے اسی مناسبت سے اس پورے کاندان کا

نام ''دیوکش'' پڑ گیا۔علامہ سمعانی نے ''الانساب'' میں اس باب کا عنوان بھی لفظ ''دیوکش'' سے قائم کیا ہے۔

دیوکشوں کے اسی خاندان کے افراد نے جس طرح ریشم سازی کی صنعت میں ترقی وکمال حاصل کر کے اپنا خاندانی امتیاز باقی رکھا اسی طرح انہوں نے ایمان ویقین،علم وتحقیق، ذاتی تجربات، ذوق صحیح، کتاب وسنت کا صحیح وعمیق علم اور علم وفکر کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی، تزکیۂ نفس، رح کی لطافت وذکاوت کی صنعت میں ان کی قوتِ فکریہ کے طائرِ بلند پرواز نے رضائے الٰہی کی بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور رحمتِ الٰہی کی کھلی فضاؤں میں پرواز کی۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیوکش اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں جنہوں نے مختلف علوم وفنون بالخصوص علم فقہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی کی رفاقت سے گراں قدر علمی تنقیحات، نادر تحقیقات اور پیچیدہ فقہی مشکلات کی عقدہ کشائی کی، جو ان کے علم کی پختگی اور گہرائی کا زندہ وجاوید ثبوت ہے۔ان کے استقلال واخلاص، توکل، اعتماد، زہد وقربانی، دردِ دل اور سوز دروں نے ان کی سیرت وکردار کو جلا بخشی اور ان ہی کی مخلصانہ مساعی اور پاک بازی کی وجہ سے خاندانِ دیوکش کو زندگی اور تاریخی عظمتیں حاصل ہوئیں۔

خدا کی شان کہ جو صنعتیں، کاروبار اور پیشے ہزاروں برس، صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید ورسالت کے پیغام سے نا آشنا تھے۔ابو محمد عبداللہ جیسے پاک باز، نیک سیرت اور خدا پرست حضرات کی محنت، ریاضت اور شبانہ روز مشقت سے وہ خاندان، علماء اور اولیاء کے خاندان اور علوم اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کے محافظ وامین بن گئے۔

موصوف نے احمد بن شر بحری کے لڑکوں ابو احمد عبدالرحمٰن اور ابو محمد عبداللہ سے علمِ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی، ہر دو حضرات کا اپنے زمانے میں اکابر اساتذۂ حدیث میں شمار ہوتا تھا۔دونوں حضرات کو علمِ حدیث میں پختگی، گہرائی اور علاقہ بھر میں مرکزیت حاصل تھی۔

تحصیل علم کے بعد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے خدمت واشاعتِ علم، درس وتدریس کے مواقع عطا فرمائے۔انہیں بھی اپنے قابل، فائق اور فاضل اساتذہ کی طرح قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوا، طالبانِ علوم نبوت کے مرجع بنے اور شہرت وقبولیتِ عامہ نصیب ہوئی۔آپ کا حلقۂ درس اور حلقۂ ارادت روز بروز وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

آپ کے تلامذۂ حدیث میں ہمارے ''الانساب'' کے مصنف علامہ سمعانیؒ کے والد کا نام بھی گنوایا جاتا ہے اور انہیں اس نسبت پر ہمیشہ فخر وامتیاز بھی حاصل رہا، جیسا کہ علامہ سمعانی کی تحریر سے یہی معلوم ہوتا ہے ان کے علاوہ ابو طاہر محمد بن محمد بن عبداللہ مسخر، اور ابو بکر عتیق بن علی غازی کو بھی علمِ حدیث میں آپ سے تلمذ کا شرف حاصل رہا

۴۹۰ھ کے حدود میں عازمِ اقلیمِ عدم ہوئے۔

محمد بن عبداللہ دیوکش، آپ ہی کے صاحب زادے ہیں۔ بڑے ذہین، ذکی اور نکتہ رس تھے۔ انہیں بھی اپنے عظیم والد کی طرح دست کاری اور ریشم سازی میں تجربہ ومہارت کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور درس وتدریس کے بھی خوب مواقع ملتے رہے، خدا تعالیٰ نے ان کو غضب کی قوت استدلال سے نوازا تھا۔ بیان کی دلآویزی، زبان کی شگفتگی اور دلائل کی قوت سے بحث کے اطراف وجوانب بڑی خوبی کے ساتھ ایک نقطۂ جامعیت پر سمیٹ دیتے تھے، جس کی وجہ سے انہیں دینی اور علمی حلقوں اور طلبۂ حدیث میں شہرت اور قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی۔

ہمارے ''الانساب'' کے مصنف علامہ سمعانی کو بھی ان سے زیارت وملاقات اور استفادے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس کا انہوں نے بڑے فخر وامتیاز اور اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ خاندانِ دیوکش جو ریشم سازی کا مرکز اور علاقہ بھر کے لیے مرجع بنا ہوا تھا، دیوکشوں کے اس خاندان میں اَللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار اور رجلِ رشید کھڑے کردیے تھے جنہوں نے دستکاری اور ریشم سازی کے ساتھ ساتھ آدم سازی اور آدم گری کی صنعت میں بھی اپنے خاندان کو ناموری اور نیک نامی کے معراج تک پہنچایا، بطور مثال ہم نے ''الانساب'' سے ابومحمد عبداللہ بن محمد دیوکش اور ان کے ہونہار صاحب زادے محمد بن عبداللہ دیوکش کا اجمالی تذکرہ نقل کردیا ہے۔

سوجھ بوجھ اور قدرے عقل سے کام لینے والوں کے لیے صرف ان حضرات ہی کے اس مختصر تذکرہ میں کتنی نصیحتیں، کتنی عبرتیں اور کتنے انقلاب انگیز اَسباق موجود ہیں کہ تحصیل علم اور پھر اشاعتِ علم کے دوران اگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزقِ حلال کے قُوتِ لایموت پر زندگی اور مستقبل کی جسمانی ساخت کا سانچہ تیار کیا جاتا رہا تو قدرت انہیں مستقبل کی عملی زندگی میں علمی وروحانی سانچے بھی ویسے میسر کردے گی جس کی طلب گاریوں میں انہوں نے اپنی قیمتی صلاحیتیں کھپادیں۔

آج نہیں کہ اس دور کا ''آج'' گزشتہ زمانے کے کل سے بہت زیادہ بدل چکا ہے کہ جب علم دین کی بہشتی ڈگریوں کی نہ حکومت خریدار تھی اور نہ پبلک میں ان معاشی اجازت ناموں کی کوئی طلبگاری تھی جو بھی اس راہ میں قدم رکھتا سرِ راہ وسوسہ ڈالنے والا ''خناس'' خسر الدنیا والآخرۃ کا بورڈ آویزاں کردیتا۔

کیا عجب زمانہ تھا اور کیسا عجب تماشہ تھا کہ صرف دیوکشوں کے خاندان کے ان افراد نے نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور مشاہیر اربابِ علم وفضل نے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ''کیا اپنے بندہ کے لیے اللہ کافی نہیں!'' کے قرآنی سوال کے جواب میں حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر ''ہمارے لیے اَللہ بس ہے

بڑا اچھا وکیل۔(پشت پناہ) کتنا اچھا آقا اور کیسا اچھا یار ائی فرما''

کی مضبوط چٹان سے زندگی کے جہاز کو باندھ دیا تھا، مگر تاریخ گواہ ہے ''الانساب'' کے بارہ سو چھ (۱۲۰۶) صفحات پڑھ جایئے۔اس کے علاوہ کتابیں اُٹھا اُٹھا کر ایک ایک مورخ سے دریافت کرتے چلے جایئے..... سب کے ہاں ایک جواب اور اجماعی جواب ملے گا۔کہ اولاً انہیں زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ''جھنجوڑ دیے گئے اچھی طرح جھنجوڑنا''

کے مقام پر رکھا اور پرکھا گیا، وہ جب تک اس مقام رہے فقر وفاقہ اور بعض اوقات بھوک کی شدت سے گر گر کر بھی تسلیم ورضا کی راہ چلتے رہے اور ان کے چہروں پر کفرانِ نعمت اور ناشکری کے بل تک کو باریابی حاصل نہ ہوسکی۔

چند ہی دنوں بعد اَللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اپنے فضل وکرم کے دھارے کھول دیے۔انعامات اور ربانی تجلیات وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔

مگر آج کس کس پہلو پر رونا رویا جائے، کس کس سوراخ کو بند کیا جائے اور کس کس زخم پر مرہم رکھا جائے؟ علم کے زوال اور امت کے اِدبار وتنزل کے لیے کیا یہ کوئی کم واقعہ ہے کہ طلبہ کو رزقِ حلال، پیشہ ورانہ تربیت، دست کاری اور اپنے ہاتھوں سے حلال کی کمائی کی بجائے اِبتدائے روز سے انجمن سازی، تنظیم سازی، سیاست گری، صفائی تہذیب اور خدا جانے کن کن ناموں کا پردہ ڈال کر کیسے کیسے لایعنی مشاغل اور تنعمات کا عادی بنایا جارہا ہے!؟ جن چیزوں کو ہمارے اسلاف نے غیر ضروری سمجھا، مگر اب ان ہی چیزوں کو زندگی کی اولین ضرورت قرار دیا جارہا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور اربابِ علم وفضل نے تعلیم کے ایام تعلیم ہی کے لیے گزارے ہیں۔ تخرب، تحری، سیاست، انجمن سازی، بننے سنورنے، نوعروسی اور دولہا بننے کی مشق نام کا کوئی کارنامہ ان کی طالب علمانہ زندگی میں نظر نہیں آتا۔

ان کی زندگی صاف ستھری، دھلی دھلائی۔اُجلی محنت ومشقت اور اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کی کمائی والی سرد وگرم چشیدہ زندگی تھی۔ایسی زندگی اپنے اندر جو پختگی رکھتی ہے۔سیرت وکردار کی یہ استواری ان لوگوں میں تلاش کرنا بے کار اور فضول ہے جن کی پوری زندگی سرد ماحول میں گزری ہو، پیشہ ور، دست کار اور صنعت کار ارباب علم وفضل کا یہ تذکرہ مسلمانوں کی ماضی کا صاف آئینہ اور ایسا آئینہ ہے جس میں مستقبل کو دیکھا بھی جاسکتا ہے اور سنوارا بھی جاسکتا ہے۔

☆☆☆